۷۸۶

بیادگار چودہ سو سالہ جشن ولادت حضرت علیؑ ۱۹۵۷ء

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؑ خیبر شکن عشق

اقبال

"ھدیۂ طاہرہ"

مجموعۂ نعتیہ کلام

از
بانو طاہرہ سعید

بار اول

۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء

بلا قیمت برائے تقسیم

مطبع ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ نامپلی حیدرآباد دکن

پیش لفظ

سنہ ۱۳۹۶ھ ہجری تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس سال حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے پیدائش کے پورے چودہ سو سال تکمیل ہوئے اور دنیائے اسلام میں مختلف جشن منعقد کیے گئے۔ اس سلسلہ میں حیدرآباد میں بھی مسلمانوں نے خلوص و عقیدت کے یادگار جشن منائے۔ مجھے بھی یہ سعادت حاصل ہوئی کہ میں نے بھی اپنے غریب خانہ میں دو مرتبہ جشن مولود کعبہ منایا۔

اس موقع پر میں نے اپنے یہاں اور مختلف محفلوں میں اپنا جو نعتیہ کلام سنایا تھا اسے دوستوں کے اصرار پر اس مجموعہ کی صورت میں ہدیتاً پیش کر رہی ہوں۔

دعا ہے کہ میرا یہ ہدیہ بارگاہِ نبوت و امامت میں قبول ہو جائے۔

بانو طاہرہ سعید
ووڈ گرین، دیو سعید آباد
حیدرآباد (دکن)

تعارف

بانو طاہرہ سعید بی اے اگرچہ ایرانی خاتون ہیں مگر آپ کے والدین نے عرصۂ دراز سے ہندوستان میں سکونت کر لی تھی۔ آپ کے آباد اجداد علماء و فضلاء گزرے ہیں۔

بانو طاہرہ سعید کی اعلیٰ تعلیم شمالی ہندوستان میں ہوئی اور جب وہ اپنے والدین کے ہمراہ طہران گئیں تو وہاں اردو کو فروغ دینے کی کوشش فرمائی چنانچہ جنگ یورپ کے زمانہ میں طہران کے نشرگاہ سے اردو نشر کی انچارج رہیں۔

اختتامِ جنگ پر کرنل جی یم سعید حیدرآبادی کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو کر طہران سے حیدرآباد آ گئیں۔ طاہرہ نے مشرق اور مغرب کے اکثر ممالک کی سیر کی ہے اور شاعری اور افسانہ نگاری کا فطری شوق ہے۔ انگریزی فارسی اور اردو شاعری پر دست رس ہے انگریزی، ایرانی اور اردو اخباروں نے ان کی شاعری اور

افسانہ نگاری کی بڑی تعریف کی ہے۔ آپ کے فارسی افسانوں کا ایک مجموعہ 'بانوئے مصر' ایران میں شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔

ان کو اردو شاعری اور افسانہ نگاری کا بچپن سے شوق ہے۔ اگرچہ اب تک افسانوں کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا ہے مگر کافی افسانے لکھے ہیں، یہ افسانے رومانی، مزاحیہ، اصلاحی، معاشرتی اور سماجی عنوانوں میں ہیں، ان میں کردار نگاری اور پلاٹ کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے۔ عنقریب مجموعہ شایع کرنے کا ارادہ ہے۔

بانو طاہرہ غزل بھی موزوں کرتی ہیں اور نظم بھی لکھا کرتی ہیں انکی شاعری میں آمد پائی جاتی ہے، تخیل کی پرواز، خیالات کی ندرت بھی قابلِ داد ہوتی ہے، اردو کے معیاری رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوا کرتا ہے بعض مرتبہ مخصوص مشاعروں میں بھی حصہ لیا کرتی ہیں، خصوصیت سے زنانہ مشاعروں میں ان کو پیش پیش رکھا جاتا ہے۔

۱۳۷۶ھ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ولادت کا چودہ سو سال کا جشن دنیائے اسلام میں منایا گیا اس موقع پر نہ صرف اجتماعی طریقہ سے بلکہ انفرادی طور پر بھی جشن منائے گئے، چنانچہ بانو طاہرہ نے بھی اس میں حصہ لیا تھا انھوں نے اپنے مکان میں بڑے اہتمام سے دو مرتبہ جشن کیا اور پردہ نشین خواتین کو جمع کرکے

مشاعرہ اور موسیقی، اور آرٹ کے مظاہرہ کا اچھا انتظام کیا تھا۔
اگرچہ بانو طاہرہ کی اردو شاعری کا کافی ذخیرہ جمع ہو گیا ہے مگر اس موقع پر اُنھوں نے صرف اپنے نعتیہ کلام کو "ہدیۂ طاہرہ" کی صورت میں پیش کرنے کی پہل کی ہے، مجھے توقع ہے کہ ان کا یہ ہدیہ مقبولیت حاصل کریگا، اِس کلام کے متعلق میں اس لئے کچھ نہیں کہونگا کہ عطر آنست کہ خود ببوید۔

نصیر الدین ہاشمی
حیدر آباد دکن

۷۸۶

عنوانِ مدینہ

۱۹۴۵ء (طہران - ایران)

مجھ پر بھی کرم اے شہِ ذیشانِ مدینہ
کب تک غمِ فرقت سہوں سلطانِ مدینہ

محبوبِ دو عالم میں ترے نام کے صدقے
ہو جان مِری تجھ پہ فدا جانِ مدینہ

اے خاکِ مدینہ تجھے آنکھوں سے لگاؤں
تقدیر کرے گر مجھے مہمانِ مدینہ

وارفتگیٔ شوق کا پوچھ نہ ٹھکانہ
عنواں میرے قصّے کا ہے عنوانِ مدینہ

دنیا میں کہیں اب تو طبیعت نہیں لگتی
اس دل میں سمایا ہے کچھ ارمانِ مدینہ

ہر چند گنہگار ہوں للہ ترحّم
اِک نیم نگہ اے مہِ تابانِ مدینہ

مژدہ ہو چمکنے کو ہے قسمت کا ستارا
ہو جائے گا اے طاہرؔ سامانِ مدینہ

"مدینے والے"

۸؍ جنوری ۱۹۵۵ء ڈلہوزی (مشرقی پنجاب)

دیدے پھر کھوئی ہوئی شان مدینے والے
بزمِ احباب ہے ویران مدینے والے

کردے کوئی ہمیں بیدار بنوکِ شمشیر
دل میں اب ہے یہی ارمان مدینے والے

تجھ کو معلوم نہیں ہنستی ہے دنیا ہم پر
ننگِ عالم ہیں مسلمان مدینے والے

رہ گیا کفر کے کانٹوں میں الجھ کر دامن
بچنا مشکل ہے اب ایمان مدینے والے

تو بنا دے تو بنے اپنی بھی بگڑی قسمت
تیرے صدقے ترے قربان مدینے والے

کس طرح پار ہو بیڑا کہ ڈبونے کے لئے
روبرو سخت ہے طوفان مدینے والے

تھام لے ہاتھ میرا تھام لے اے ماہِ عرب
کب سے ہوں بے سر و سامان مدینے والے

غیر اللہ پہ کرتے ہیں بھروسہ افسوس
وہ جو تھے صاحبِ قرآن مدینے والے

تو جو چاہے تو دلِ طاہرہ پا جائے سکون
ہے وہ مدت سے پریشان مدینے والے
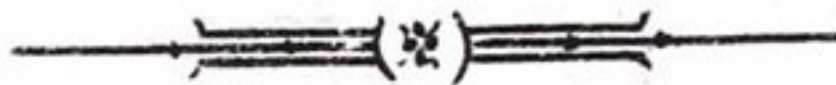
حیدر سے

۲۱ ستمبر ۱۹۵۴ عیسوی

(جیپور سے پٹھان کوٹ کے راستے میں ٹرین کے اندر)

جس کو نسبت ہو شاہِ خیبر سے — اس کو آرام نامِ حیدر سے
ذرہ ذرہ نجف کا ہے کعبہ — خلد کمتر ہے آپ کے گھر سے
میں کنیزِ غلام آقا ہوں — ہے ارادت مجھے تو قنبر سے
جو گدائے درِ علیؑ نہ بنا — واسطہ کیا اسے پیمبر سے
تشنگی روح کی بہت ہے شدید — کر دو سیراب جامِ کوثر سے
المدد یا علیؑ براہِ کرم — اب تو پانی گذر گیا سر سے

کہہ دیا برملا نصیری نے
طاہرہ چپ ہی چپ رہی ڈر سے

تیرھویں رجب

۹؍مارچ ۱۹۵۵ء حیدرآباد (دکن)

پیام یار آگیا قرارِ جاں لئے ہوئے
نویدِ وصل و دید کی کہانیاں لئے ہوئے
نظارۂ جمال کی ہے منتظر بہار بھی
گلوں کے ساتھ خوشبوؤں کے کارواں لئے ہوئے
شمیمِ دوست کہہ رہی ہے نقدِ جاں نثار کر
گروہِ عاشقاں کھڑا ہے نقدِ جاں لئے ہوئے
کبھی گئے سوئے حرم کبھی گئے سوئے نجف
پھرے ہیں تیرے عشق کو کہاں کہاں لئے ہوئے
رجب کی تیرھویں ہے یوم حاصل مراد دل
ہے جس کی ہر گھڑی ہزار داستاں لئے ہوئے
کہا جو "یا علیؑ" تو مشکلیں نہ مشکلیں رہیں
علیؑ کا نام ہے عجب تسلیاں لئے ہوئے

جنونِ شوق مدتوں سے راہبر بنا ہوا
پھرا رہا ہے دربدر یہاں وہاں لئے ہوئے
خیالِ یار کی قسم نہ پوچھ اس کی داستاں
خیالِ یار ہے عجیب داستاں لئے ہوئے
سنا ہے ہم نے طاہرہؔ کہ ساقیٔ فراخ دل
پلا رہا ہے دمبدم صراحیاں لئے ہوئے

۱۷ر فبروری ۱۹۵۰ء حیدرآباد (دکن)

"ہے عشق کا تقاضہ کہ شکوہ نہ کیجئے"
ہنس ہنس کے تیر کھائیے تڑپا نہ کیجئے

سودائے عاشقی ہے تو دل میں نہ رکھے ہوس
جز عشق دوست اور تمنا نہ کیجئے

شاہِ نجف سے کہدے صبا میرا یہ پیام
اپنے پجاریوں کو بھلایا نہ کیجئے

مژدہ کبھی تو وصل کا بھیجو کہ میں ہنسوں
دن رات اس طرح سے رلایا نہ کیجئے

"حرماں نصیب" کہکے مجھے چھیڑتے ہیں لوگ
رسوا ہوں مجھکو اور بھی رسوا نہ کیجئے

بس آپ کی رضا ہے میرا مقصدِ حیات
کیسے جیوں جو آپ بھی پرواہ نہ کیجئے

برداشت ہم سے ہو نہ سکیگا جمالِ یار
گیسوئے تابدار سنوارا نہ کیجئے

شکوے شکایتیں تو بہت سی ہیں یار سے
ہے عشق کا تقاضا کہ شکوہ نہ کیجئے

مشکل کشا ہیں آپ مدد یا علی مدد
محروم اپنے لطف سے مولا نہ کیجئے

خاکِ نجف سے خاک کو میری کبھی جدا
آقا نہ کیجئے میرے آقا نہ کیجئے

اے طاہرہ یہ راز کی باتیں یہ انکی یاد
رکھیئے چھپا کے سینہ میں چرچا نہ کیجئے

"کسی کو کیا معلوم"

۱۰ ر فبروری ۱۹۵۸ء حیدرآباد (دکن)

کسی کے پیار کی لذت کسی کو کیا معلوم
چھپی ہے دلمیں جو الفت کسی کو کیا معلوم

ہے شرطِ عشق کہ شامل ہو اسمیں خون جگر
جگر کے خون کی قیمت کسی کو کیا معلوم

علیؑ کے عشق نے دنیا سے بے نیاز کیا
علیؑ کے عشق کی دولت کسی کو کیا معلوم

نصیریوں کا خدا نا خدائے عالم ہے
علیؑ کی قدرت و عظمت کسی کو کیا معلوم

علیؑ وصیِ پیمبر علیؑ ولی اللہ
علیؑ کی شانِ ولایت کسی کو کیا معلوم

کسی نے فاتح خیبر کہا کسی نے امیر
مگر علیؑ کی حقیقت کسی کو کیا معلوم

علیؑ کے در پہ مجھے کاش موت آجاتی
نجف میں مرنے کی لذت کسی کو کیا معلوم

خدا کے گھر سے محمدؐ نے جانشیں پایا
علیؑ ہے جانِ رسالت کسی کو کیا معلوم

نبیؐ حبیبِ خدا اور علیؑ حبیبِ نبیؐ
علیؑ کی عزت و حرمت کسی کو کیا معلوم

جو کھولی آنکھ تو دیکھا جمالِ روئے نبیؐ
علیؑ کی چشمِ بصیرت کسی کو کیا معلوم

علیؑ کے چاہنے والوں میں نام ہے اپنا
بلند کتنی ہے قسمت کسی کو کیا معلوم

علیؑ سے طاہرؔ مل جائیگا جو ملنا ہے
علیؑ ہے بحرِ سخاوت کسی کو کیا معلوم

"بہار آئی بہار آئی"

جشن (۱۴۰۰) سالہ کی تقریب میں یہ نظم پڑھی گئی ۲ مارچ ۱۹۵۷ء

تاریخ تصنیف ۲۰ فروری ۱۹۵۷ء حیدر آباد (دکن)

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی

"بہار آئی بہار آئی بہار آئی بہار آئی"

بہار آئی خدا کے گھر میں ولیوں کا ولی آیا

مبارک ہو نبی کو جس کی حاجت تھی وہی آیا

نبوّت لوریاں دیتی ہے رحمت مسکراتی ہے

نسیمِ خلد اس مولود کا جھولا جھلاتی ہے

جمالِ ہاشمی دیکھو جبینِ سروری دیکھو

جگر کو خون کردے وہ ادائے دلبری دیکھو

عجب صورت عجب سیرت عجب انداز پایا ہے

خدا نے خاص اپنے ہاتھ سے اس کو بنایا ہے

رسولِ ہاشمی کی آنکھ کا تارا ہے یہ بھائی

ہوا پیدا تو آغوشِ محمدؐ میں جگہ پائی

چڑھا پروان پیغمبر کے دل کا رازداں ہو کر
بنا دامادِ پیغمبر یہی بچہ جواں ہو کر
جوانی اُف جوانی کیا قیامت خیز ہے اس کی
ہزاروں طور جل جائیں نگاہِ تیز سے جس کی
جلال ایسا کہ سورج خود بخود قدموں میں کھنچ آئے
جمال ایسا کہ جس سے چودھویں کا چاند شرمائے
کبھی ساقی کبھی زاہد کبھی بانکا سپاہی ہے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا علیؑ رازِ الٰہی ہے
علیؑ کی ذات قدرت کا انوکھا اک کرشمہ ہے
علیؑ کی ذات دنیا کے لئے اب تک معمہ ہے
مجھے اتنا فقط معلوم ہے اے طاہرؔ لیکن
"علیؑ اول علیؑ آخر علیؑ ظاہر علیؑ باطن"

"نوید بہار"

(جشن چاردہ صد سالہ جناب امیرؑ بمقام خانہ خود)

تاریخ تصنیف ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء حیدرآباد (دکن)

لائی بادِ صبا نوید بہار — ہے زمین و زماں پہ آج نکھار
چھا گئی چار سو خوشی ہی خوشی — آگیا آگیا کوئی دلدار
بھینی بھینی مہک سبحان اللہ — آرہی ہے نجف سے نکہت یار
بہرِ نذرانۂ مبارک باد — حور و پریوں نے بھی کیا ہے سنگار
چودہ سو سال کی یہ جوبلی ہے — اس سے بڑھکر نہیں کوئی تہوار
یومِ حضرت علیؑ کے صدقے میں — اے خدا کر ہمارا بیڑا پار
یا علی یا علی ولی اللہ — دل سے کرتے ہیں ہم ترا اقرار
کون ہے جو اسیرِ زلف نہ ہو — کون ہے جو کرے نہ اُن سے پیار

طاہرہ سب کو یہ مبارک ہو
جشنِ میلادِ حیدرِ کرار

علیؑ علیؑ

تاریخ تصنیف ۲۲ فروری ۱۹۵۷ء حیدرآباد (دکن)

نادِ علی علے علی
آؤ مدد کو یا علی

نادِ علی علے علی
رب کے ولی علی علی

میرا سلام شوق لو
مولا علے علی علی

دل میں تمھاری یاد ہے
شام و سحر علی علی

راحتِ جاں قرارِ دل
نامِ خدا علی علی

میری طرف بھی ہو نظر
مشکل کشا علی علی

غم کی دوا ہے طاہرہ
نادِ علی علے علی

پیا کا گیت

میں تو اپنے پیا سے ملن کو چلی
پھول ہنس ہنس دئے مسکرائی کلی

جھوم جائیگا دل نغمے گائیگا دل
جب میں دیکھونگی پیارے پیا کی گلی

آرہا ہے نجف سے بلاوا مجھے
میں چلی میں چلی میں چلی میں چلی

آج کل میرا وردِ زباں ہے یہی
یا علی یا علی یا علی یا علی

طاہرہ ایسا دلکش ہے نام علی
دل میں آیا سکوں مٹ گئی بے کلی

۲ر مارچ ۱۹۵۷ء

"ساقی پلائے"

۱۳ مارچ جشن ۱۴۰۰ سو سالہ محفل مقاصد میں پڑھی گئی

۴ مارچ سنہ ۱۹۵۷ء حیدر آباد (دکن)

ہے بس ایک تمنا خدا راس لائے
پیئے جاؤں میں اور ساقی پلائے

میں سجدے کروں اپنے ساقی کے در پہ
مگر ایسا دن بھی تو تقدیر لائے

بھلا میری قسمت کہاں ایسی ساقی
کہ تو اپنے ہاتھوں سے مجھ کو پلائے

نہیں دین و دنیا کی فرصت نہیں اب
فقط ہے یہی دھن کہ ساقی بلائے

نجف کے تصور نے بے خود بنایا
سنبھالو مجھے پھر قدم ڈگمگائے

کرشمہ ہے ساقی کی نظروں میں ایسا
کھلیں اس کی آنکھیں جو آنکھیں ملائے

مزہ جب ہے ساقی کا دل خود بھر آئے
میرے خشک ہونٹوں سے پیالہ لگائے

شب و روز جپتا ہے دل جس کا مالا
اسے بھی تو میری کبھی یاد آئے

دمِ نزع آئے جو بالیں پہ ساقی
بڑا لطف آئے بڑا لطف آئے

نجف میرے دل میں میرا دل نجف میں
دکن میں مجھے کس طرح چین آئے

پکارا ہے جب بھی مصیبت میں اُنکو
وہ تشریف لائے وہ تشریف لائے

تصور میں ساقی کے ہم بیٹھے بیٹھے
کبھی خوب روئے کبھی مسکرائے

ہے صدقہ یہ ساقی کے نامِ حسین کا

فقیروں کے گھر ہیں بھی مہمان آئے

خدا شاد رکھے تمھیں اہلِ محفل

تمھیں جام۔ ساقیُ کوثر پلائے

مبارک ہو ساقی کے ہاتھوں سے پینا

پیؤ اس قدر کہ نہ پھر ہوش آئے

خوشی کا زمانہ ہے خوشیاں مناؤ

ہوئے چودہ سو سال ساقی کو آئے

وہ ساقی جو مشکل میں مشکل کشا ہے

اُسے یاد کرتے ہیں اپنے پرائے

نہیں طاہرہ فکرِ امروز و فردا

کچھ ایسے وہ میرے خیالوں پہ چھائے

"جی چاہتا ہے"

۲۱ مارچ ۱۹۵۷ء حیدرآباد (دکن)

نجف پھر سے جانے کو جی چاہتا ہے
پلٹ کر نہ آنے کو جی چاہتا ہے

ہوئیں مدتیں آہ بھرتے مجھے
بس اب مُسکرانے کو جی چاہتا ہے

جہاں کی زمیں رشکِ عرشِ بریں
وہاں جانے جانے کو جی چاہتا ہے

یہ دنیا کے رشتے یہ دنیا کے غم
سبھی بھول جانے کو جی چاہتا ہے

بغل گیر ہو کر درِ یار سے
غمِ دل سنانے کو جی چاہتا ہے

خجل خود ہوں اپنی جسارت پہ میں
نگاہیں ملانے کو جی چاہتا ہے

بناوٹ نہیں یہ خدا کی قسم
تیرے پاس آنے کو جی چاہتا ہے

تیری دُھن میری زندگی کی لگن
تیرے گیت گانے کو جی چاہتا ہے

تمنا ہے قربان جاؤں تیرے
محبت جتانے کو جی چاہتا ہے

مجھے کچھ بھی بھاتا نہیں ان دنوں
نجف میرا جانے کو جی چاہتا ہے

نجف سے جو آتا ہے کوئی ادھر
گلے سے لگانے کو جی چاہتا ہے

جو حالت ہے دل کی تیرے عشق میں
وہ حالت دکھانے کو جی چاہتا ہے

جہاں بھی ہو کوئی نشاں یار کا
وہیں سر جھکانے کو جی چاہتا ہے

علی یا علی یا علی یا علی
یہی گنگنانے کو جی چاہتا ہے

ذرا اُن سے پوچھے کوئی طاہرہ
ہمیں کب بلانے کو جی چاہتا ہے
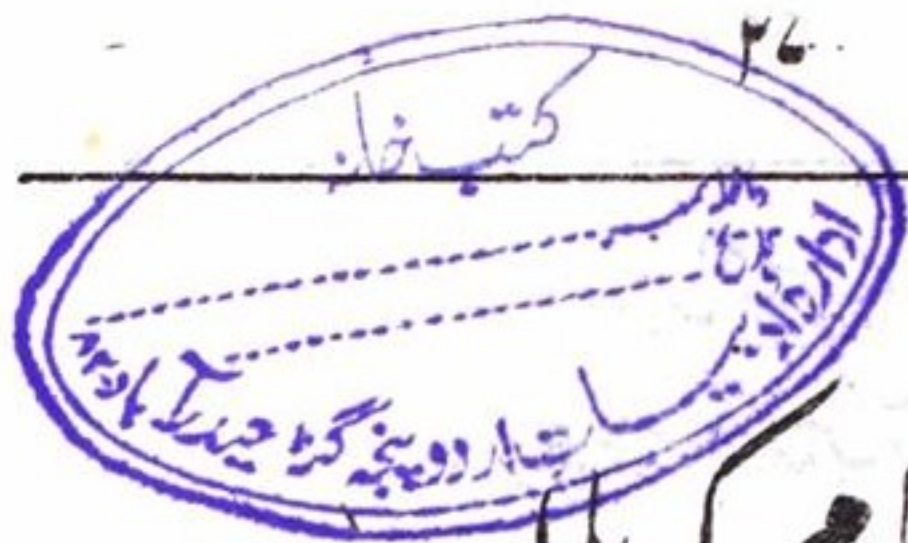
پیامِ کربلا

(طہران - ایران)

اے حسین ابنِ علی تم آبرو کی جان ہو — عزتِ انسانیت مہر و وفا کی شان ہو

معنیٔ حریت و مردانگی کی آن ہو — شمع بزمِ زندگی سرمایۂ ایمان ہو

کربلا بھیجے گئے صبر آزمانے کے لئے

زندگی کی مشکلوں پر مسکرانے کے لئے

دہر میں افسانہ ہے ایسی حمیت اے حسین — مر مٹے لیکن نہ کی ظالم کی بیعت اے حسین

کی گوارا ہر قدم تکلیفِ زحمت اے حسین — کون سی جھیلیں نہیں تم نے مصیبت اے حسین

لاج رکھ لی تم نے اپنے خون سے اس نام کی

تم سے ہے اسلام تم ہو آبرو اسلام کی

کربلا کہتی ہے یوں ہی موت آنا چاہیئے — حفظِ آزادی کی خاطر جان جانا چاہیئے

سر بلندی کیلیئے سر تک کٹانا چاہیئے — زندگی کیا چیز ہے عزت بچانا چاہیئے

ملّتِ مسلم میں کیوں اگلی سی وہ غیرت نہیں؟
ربطِ باہم کیا ہوا آپس میں کیوں الفت نہیں؟

یہ مسلمانوں میں فرقے اور عداوت تا بہ کے
طاہرؔہ بیدار ہو یوں خوابِ غفلت تا بہ کے

آڑ میں مذہب کے مذہب سے بغاوت تا بہ کے
باہمی جھگڑے تعصب اور جہالت تا بہ کے

بانیِ مذہب نے سکھلایا محبت کا سبق
آہ لیکن ہم نے سیکھا بغض و نفرت کا سبق

قطعہ

حسین ابن علی کی یاد ہی اپنی عبادت ہے
حسین ابن علی کی پیروی عین سعادت ہے
ملا دنیا میں یک ساعت نہ آرام و سکوں جس کو
اسی آرام جاں کے نام سے اس دل کو راحت ہے

نومبر ۱۹۵۵ء

قطعہ

سینۂ کربلا بنی ہے لالاں
تجھ سی ویرانیاں نہیں ہے میرا جہاں
تیرے دیدار کی تمنا ہے
خواب ہی میں دکھا دے اپنا جمال

نومبر ۱۹۵۰ء

حسینؑ

۳۱ اگست ۱۹۵۴ء حیدرآباد (دکن)

تذکرہ تیرا کو بکو ہے حسینؑ — روشنی تیری چارسو ہے حسینؑ
دل کی ٹھنڈک حیات کی رونق — یاد تیری ہے اور تو ہے حسینؑ
چاند کی چاندنی میں سورج میں — جس طرف دیکھتی ہوں تو ہے حسینؑ
جگمگاتے ہوئے ستاروں میں — رات بھر تیری گفتگو ہے حسینؑ
عطر آگین نسیمِ سحری کو — آج تک تیری جستجو ہے حسینؑ
عشق تیرا میری عبادت ہے — اشکِ خونیں میرا وضو ہے حسینؑ
میری آنکھیں ہوں اور تیرا جمال — تو ہی تو میری آرزو ہے حسینؑ
اُف ترے ہجر نے مجھے مارا — کو بکو تیری جستجو ہے حسینؑ
تیری جرأت نہیں قیامت ہے — سورماؤں کی آبرو ہے حسینؑ
کیوں نہ خاکِ شفا کے سجدے ہوں — اس میں شامل تیرا لہو ہے حسینؑ

کاش مدفن ہو تیرے در کے قریب
طاہرہ کی یہ آرزو ہے حسینؑ

"آگیا کوئی"

(ولادت حسینؑ)

۲۸ مارچ ۱۹۵۵ء حیدر آباد (دکن)

نبی کے رُخ پہ ہنسی ہے کہ آگیا کوئی
علی کے گھر میں خوشی ہے کہ آگیا کوئی

چمن میں دھوم ہے پھولوں کی بزمِ نزہت میں
صبا یہ کہہ کے چلی ہے کہ آگیا کوئی

نگاہِ شوق میں آنسو ہیں فرطِ شادی سے
شگفتہ دل کی کلی ہے کہ آگیا کوئی

نجاتِ اُمّتِ عاصی کا اب نہیں کچھ غم
خبر نبی کو ملی ہے کہ آگیا کوئی

فلک پہ رقص ہے زُہرہ کا بزمِ انجم میں
جہاں میں دھوم مچی ہے کہ آگیا کوئی

میں سجدہ گاہِ ملائک بنونگی کیا کہنے
زمین نینوا کہتی ہے آگیا کوئی

عزیزو عطر لگاؤ گلے ملو خوش ہو
عجب خوشی کی گھڑی ہے کہ آگیا کوئی

سُنا ہے طاہرؔ حوروں میں جشنِ عشرت ہے
لبوں پہ سب کے یہی ہے کہ آگیا کوئی

ولادت حضرت ابوالفضل عباس

۲۹ مارچ ۱۹۵۵ء حیدرآباد (دکن)

یہ کون آگیا حسین مسکراہٹیں لئے
نظر میں ذوالفقار کی سی تلملاہٹیں لئے

یہ شانِ ہاشمی سے کون آرہا ہے دلربا
قمر کی دلفریب رُخ پہ جگمگاہٹیں لئے

یہ کس کی زلفِ عنبریں بکھر گئی فضا میں یوں
نسیمِ خلد کی لطیف سرسراہٹیں لئے

لبوں کی مسکراہٹوں میں موتیوں کی تابشیں
یہ تابشیں ہیں کہکشاں کی جھلملاہٹیں لئے

قدم کو ان کے چوم لو نہ ہے نصیب طاہرہ
ہے ان کا ہر قدم نہ جناں کی آہٹیں لئے

قطعہ

علمبردار کشتۂ سلطان سے نسبت ہے

انہیں ہستی کی ادا میں قربان ہوجانیکی صورت ہے

نہیں معشوق مرنا عشق کو بدنام کرنا ہے

حسین ابن علی سے قبل مرنا ہی سعادت ہے

مارچ ۱۹۵۵ء

حضرت عباسؑ

۲۹ر مارچ ۱۹۵۵ء حیدر آباد (دکن)

ضرورت تھی کسی کو قوتِ بازو برادر کی
کسی کی زندگی میں تھی کمی ثانیٔ حیدر کی

حسینی شفقتوں کو انتظار یار تھا کب سے
کسی کے ساغرِ دل میں چھلکتا پیار تھا کب سے

بہارِ جانفزا آئی جو عباسِ دلیر آیا
نگہبانِ حسین ابنِ علی شیروں کا شیر آیا

جبیں سے شمس شرمندہ تو رُخ پر چاند شیدا ہے
علیؑ مرتضیٰ کی شخصیت یعنی ہویدا ہے

حسین ابنِ علی کا عاشقِ صادق ہے یہ بھائی
یہ تفسیرِ اخوت ہے اسے کہتے ہیں شیدائی

علمبردار کی مردانہ خودداری کے کیا کہنے
علمبردار کی شانِ وفاداری کے کیا کہنے

حسینی بزم کی شمع فروزاں اسکو کہتے ہیں
امیرِ قافلہ سردارِ ذیشاں اسکو کہتے ہیں

تصدق کردیا بھائی نے بھائی پر شباب اپنا
وفاداری میں بھائی خود ہی تھا گویا جواب اپنا

ہرا پرچم علمبردار کی ابتک نشانی ہے
گلستانِ محبت کی ہری ابتک کہانی ہے

مجاہد کربلا کے جاں نثارِ سبطِ پیغمبر
مِری جانب ذرا دیکھو مِرا دل ہے بہت مضطر

جو سوئے طاہرہ انکی نگاہِ لطف ہو جائے
نہ پھر کچھ غم رہے باقی نہ غم پھر دل کو برمائے

بخدمت حضرت آخر الزماںؑ

۱۰ را اپریل ۱۹۵۵ء حیدر آباد (دکن)

مجھے اے خدا بتا دے کہ وصالِ یار کب تک ؟
میری آنکھیں تھک گئی ہیں غمِ انتظار کب تک ؟

تیرے دید کی تمنا میری زندگی کا حاصل
مگر اپنی زندگی کا مجھے اعتبار کب تک ؟

ترے ہم رکاب ہوتے تیرے ساتھ ساتھ ہوتے
تھی یہی میری تمنا مگر انتظار کب تک ؟

مرا کاروانِ ہستی بھلا کیسے رُک سکے گا
رہوں تیری منتظر میں سرِ رہگذار کب تک ؟

ہیں بہاریں ساتھ انکے وہ جو آئیں چین آئے
یہ جہانِ آب و گل میں شر و انتشار کب تک ؟

غمِ ہجر کی چبھن نے مجھے نیم جاں بنایا
یہ کھٹک بری بلا ہے یہ جگر میں خار کب تک

میرے آنے والے آجا میری التجا ہے آجا
یوں رہے تڑپ تڑپ کے دلِ بیقرار کب تک

ہے یقیں کہ اک نہ اک دن تیری آمد آمد ہو گی
مگر آنکھیں تھک گئی ہیں ترا انتظار کب تک

جیے ان کے وعدہ پر ہم مگر ہم جیئں گے تا کے؟
یہ حیات مختصر سی یہ فراقِ یار کب تک

دلِ طاہرہ کی صورت دلِ دیگراں بھی زخمی
یوں بہائیں اشک خونیں تیرے جاں نثار کب تک

آئیگا آنے والا

(شب برات ۱۹ مارچ ۱۹۵۷ء حیدر آباد دکن)

دنیا تھی محو راحت ہر سمت خامشی تھی — پھیلی ہوئی فضا میں شفاف چاندنی تھی
تاروں کی انجمن میں شہنائی بج رہی تھی — پچھلے پہر کہیں سے آواز آ رہی تھی

آئے گا آنے والا

شبنم خوشی کا ایسا پیغام لیکے آئی — ہر پھول ہنس پڑا اور ہر شاخ مسکرائی
کوئل کہیں پہ کوکی بلبل کہیں پہ گائی — بادِ صبا نے جب سے افواہ یہ اڑائی

آئے گا آنے والا

کہسار سے مچل کر چشمے نکل پڑے ہیں — دریا سمندروں سے جا کر گلے ملے ہیں
آپس میں چاند سورج تبریک کہہ رہے ہیں — فطرت کے سب نظارے آواز دے رہے ہیں

آئے گا آنے والا

آئینگے اک نہ اک دن ہم نے بھی تو سنا ہے — لیکن یہ راہ تکنا کیا صبر آزما ہے
ڈھونڈا اگر نہ پایا ان کا عجب پتا ہے — جس سے بھی میں نے پوچھا اس نے یہی کہا ہے

آئے گا آنے والا

مدت سے منتظر ہیں ماندی تھکی نگاہیں — دلمیں ہے داغ حسرت ہونٹوں پہ سرد آہیں
ہے آرزو یہی اب تشریف آپ لائیں — کب سے لگا رہی ہے دنیا یہی صدائیں

آئے گا آنے والا

دن زندگی کے تجھ بن کتنے کٹھن گذارے — کاٹی ہیں لمبی راتیں گن گن کے ہم نے تارے
بیتاب ہو کے سوئے سامرہ بھی پکارے — ابتک جئے ہیں بس اس امید کے سہارے

آئے گا آنے والا

اے طاہرؔ خلوصِ نیت سے یہ دعا کر — اللہ بارھویں کا جلوہ کرے میسر
صدقے ہماری جانیں ان کے قدم قدم پر — خوشیاں ہیں سب کے دلمیں چرچا یہی ہے گھر گھر

آئے گا آنے والا

خواجۂ اجمیریؒ

۱۰ اپریل ۱۹۵۷ء حیدرآباد (دکن)

وہ آتے ہیں خوابوں میں، ہوتی ہیں ملاقاتیں!
تاریک میرے دن ہیں روشن ہیں میری راتیں!

کس درجہ تسلّی ہے کس درجہ دلاسا ہے
امرت کے ہیں پیمانے خواجہ کی مدھر باتیں

دلسوزی بھی کرتے ہیں دلداری بھی کرتے ہیں
ناچیز اک ہستی پر اور ایسی عنایاتیں

قابل تو نہ تھیں آنکھیں ہرگز ترے جلوے کی
تقدیر کی خوبی ہے قسمت کی ہیں سب باتیں

خواجہ کی نوازش ہے خواجہ کا یہ احساں ہے
اجمیر سے آئی ہیں میرے لئے سوغاتیں

اے خواجہ پیا تم نے وعدہ یہ کیا کیسا!
کچھ یاد ہے وُہ وعدہ کچھ یاد ہیں وہ باتیں!!

سب ہوگئے گرویدہ اُن مست نگاہوں کے
ہیں طاہرہؔ نظروں میں کچھ ایسی کراماتیں

قطعہ

تیری یاد آئی ہے ایسے پیار سے ہو آج
جیسے لال اور بھارت سے راج
تصور میں ترا آنا ہے
جیسے بولے اب جیسی ہو آج

۲۲ اپریل ۱۹۵۵ء حیدرآباد

یادِ اجمیر

۲۲ر اپریل ۱۹۵۷ء حیدرآباد (دکن)

نسیمِ سحر کیوں معطّر ہے ایسی
مگر بزمِ اجمیر سے آرہی ہے!

یہ دل میں کسک اور آنکھوں میں آنسو
تری یاد پھر خواجہ تڑپا رہی ہے

وہ تیرا تبسّم وہ طرزِ تکلّم
مجھے خوابِ رحمت کی یاد آرہی ہے

کئے وعدے پھر بھی نہ پیغام بھیجا
نگاہِ تغافل ہی رُلوا رہی ہے

رہوں منتظر تیرے وعدوں کی کبتک
لبوں پر مرے اب تو جان آرہی ہے

جواب آئیگا ہے یقیں طاہرہؔ
صبا تیرا شکوہ لئے جا رہی ہے

بانو طاہرہ